نظم اور تناسب کا فرق

مولانا نازش احتشام اصلاحی

قرآن کریم اسرار و معانی کا ایک بحرِ بیکراں ہے جس میں ہر انسان اپنی اپنی استطاعت وصلاحیت کے مطابق حِکَم و معارف کے جواہر ڈھونڈتا رہتا ہے۔ یہ سلسلہ زمانۂ نزولِ قرآن ہی سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ قرآن کا ایک طالب علم جب اس پر نگاہ ڈالتا ہے تو بادی النظر میں دو پہلو اس کے سامنے آتے ہیں۔ ایک اعجازِ بیان کا، دوسرا اصلاح و اخلاق کا۔ قرآن کریم جہاں تمام انسانوں کے لیے سامانِ رشد و ہدایت ہے وہیں حکمت و دانائی کا ایک خزینہ بھی ہے۔ جو شخص اس پر غور کرتا ہے اس کی زبان اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہوتی ہے کہ "ہم قرآن کو کسی مکانی رقبے یا زبانی رقبے یا علم انسانی کے رقبے میں مقیّد و محدود نہیں کر سکتے"[۱] اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

لا یشبع منہ العلماء ولا تنقضی عجائبہ[۲]	علماء کبھی اس سے آسودہ نہیں ہو سکتے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

اس کے اعجازِ بیان کا یہ حال ہے کہ لبید جیسے ماہرِ سخن کو یہ کہنا پڑا:

أبدلنی اللہ بہ القرآن[۳]	اللہ تعالیٰ نے اس کے (یعنی شاعری کے) بدلے مجھے قرآن سے نوازا ہے۔

دنیائے ادب اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ قرآن جیسا کلام پیش کرنا مشکل ہی نہیں،

---

[۱] امام فراہی حیات و افکار (مجموعہ مقالات فراہی سمینار) مرتب ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ص ۲۳، ۲۴

[۲] جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن

[۳] تاریخ دول العرب والاسلام، محمد طلعت حرب، مطبع ترک القاہرہ ۱۹۰۵ء طبع دوم ص ۱۰۱

ناممکن ہے۔ اس کے اعجازِ بیان پر غور کرنے والا اس کے بے شمار پہلو پاتا ہے۔ کوئی اس کی لفظی صناعی سے بحث کرتا ہے، تو کوئی اس کے طرزِ ادا اور اندازِ بیان پر غور کرتا ہے، کوئی اس کے قوافی کو اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بناتا ہے، تو کوئی حروفِ مقطعات کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔

قرآنیات سے متعلق ان مباحث میں ایک نہایت اہم بحث کا تعلق 'نظم' سے ہے۔ نظم کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی آیات اور اس کی سورتیں معنوی اعتبار سے اس طرح باہم مربوط، مسلسل اور مرتبط ہیں جیسے کوئی ہار ہو، جس میں مختلف قسم کے موتی ایک خاص سلیقے اور ترتیب سے پروئے گئے ہوں۔

چنانچہ اس ہار کے حسن و جمال کا جو نقش دل و دماغ پر ثبت ہوتا ہے وہ اس ہار میں پروئے ہوئے موتیوں کی رعنائی و زیبائی اور انفرادی طور پر ان کی غیر معمولی قدر و قیمت کا ہی نہیں بلکہ اس میں ان موتیوں کے خاص طور پر اور خاص سلیقہ سے پرونے کا بھی مرہونِ منت ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک موتی کو بھی اس کی جگہ سے نکال دیں تو اس کا حسن متاثر ہو جائے گا۔ ٹھیک یہی معاملہ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کا بھی ہے کہ اگر ایک آیت کو بھی اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا دیں تو اس کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی ایک ٹکڑے کو دوسری جگہ لگا دیں تو اس کی معنویت باقی نہیں رہے گی۔ نظمِ قرآن سے متعلق بحث میں مولانا فراہیؒ نے اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نعلم بالبداهة أنّ حسن	ہمیں بدیہی طور پر یہ معلوم ہے کہ حسنِ ترتیب
الترتیب من أکبر محاسن	کلامِ بلیغ کے سب سے بڑے محاسن میں
الکلام البلیغ، ونحن نوقن	سے ہے۔ ہم قرآن کے اعجاز پر یقین رکھتے
بإعجاز القرآن، فهل نرضی	ہیں پھر ہم یہ بات کیسے مان سکتے ہیں کہ قرآن
بأن یکون عاریًا عن حسن	حسنِ ترتیب سے خالی ہے اور کیوں کر
الترتیب؟ وکیف نترک النظر	ہم اس کے معانی کے ارتباط کو سمجھنے اور اس
فی فهم رباط معانیه واعتناق	کے باہمی اتصال پر غور و فکر کرنے کو نظر انداز
بعضها ببعض، وإتقان ترتیبها	کر سکتے ہیں اور کس طرح محکم ترتیب کو نظر انداز

ألا تراك لا ترضى بأن تجعل كلامَ عاقلٍ رزينٍ خالياً عن ترتيب فيه، وربما يحطّ عندك قدر خطيبٍ مصقعٍ أتى بفنونٍ من البلاغة وأثّر في النفوس بخلابة بيانه لمحض أنه ذهل عن ربط الكلام، فهام من وادٍ إلى وادٍ، وهو معذور بأنه ألقى الخطاب عفواً لم يعمل فيها النظر والروية، وليس ذلك إلّا لأن الكلام البليغ لا يحتمل سوء الترتيب. فإن كان الأمر كذلك أليس على المومن بإعجاز القرآن أن يثبت حسن نظمه و إحكام ترتيبه ؎١

کر سکتے ہیں۔ تم خود یہ گوارا نہیں کرتے کہ کسی عقل مند اور سنجیدہ انسان کی گفتگو کو ترتیب سے خالی سمجھو۔ بسا اوقات ایک ماہر خطیب جس نے بلاغت کے تمام فنون کا اپنے کلام میں احاطہ کیا ہو اور سامعین کو اس نے متاثر کیا ہو، اس کی وقعت محض اس لیے گر جاتی ہے کہ اس نے کلام میں ربط و ترتیب کو نظر انداز کر دیا۔ وہ متعدد موضوعات کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ اس تبدیلی کے لیے معذور ہے کیوں کہ اس نے برجستہ تقریر کی ہے اور غور و فکر سے کام نہیں لیا ہے۔ ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے کہ کلام بلیغ بے ترتیبی کا متحمل نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا قرآن کے اعجاز کا یقین رکھنے والے پر ضروری نہیں کہ وہ اس کے حسنِ نظم اور اس کی ترتیب کی پختگی کو ثابت کرے؟

قرآن مجید میں نظم کا تصوّر کوئی نیا نہیں ہے۔ علماء مفسرین کی ایک بڑی جماعت نظم قرآن کی قائل رہی ہے، لیکن جب ہم اس میدان میں ان کی تحقیقات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دراصل ان کا تصوّرِ نظم 'تناسب' سے کچھ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ مولانا فراہی کا تصورِ نظم قرآن، تناسب سے بہت آگے کی چیز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس تصور کو ایک بالکل نئی جہت سے

؎١ دلائل النظام (رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن) دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ ص ٥١۔ اس کی مزید تشریح "الحاجۃ الی معرفۃ النظم" ص ٥٢ (حاشیہ) کے زیرِ عنوان دیکھیں

روشناس کیا ہے جو اس سے پہلے اس وضاحت اور صراحت کے ساتھ پیش نہیں کی گئی تھی۔ انھوں نے تصورِ نظم کے لیے نظام کی اصطلاح استعمال کی اور نظم کو فہم قرآن کی کلید اور اس کے گنجینۂ اسرار و معارف تک پہونچنے کا اہم ترین راستہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے نظم کی مشکلات و وسائل اور اس کے اصول و مبادی کی تفصیلات کے سلسلہ میں جو دادِ تحقیق دی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

مولانا نے نظم کا جو وسیع تصور پیش کیا ہے وہ قدماء کے تصورِ مناسبت سے بدرجہا ارفع، ہمہ گیر اور جملہ آیات و سور کے درمیان بڑا گہرا اور فطری و منطقی ربط و ارتباط پیدا کرنے والا ہے۔ اس طرح قدماء نے مناسبت یا تناسب کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ علم نظام کا محض ایک جزبن کر رہ جاتا ہے۔

یہ مضمون نظام اور مناسبت کے مفاہیم و مضمرات کے فرق کو واضح کرنے کی ایک کوشش ہے۔

تناسب کا مفہوم

مناع قطان مناسبت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"والمناسبة فی اللغة	لغت میں مناسبت مقاربت کو کہتے
المقاربة فلانٌ يناسب فلاناً،	ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں سے مناسبت
ای یقرب منه ویشاکله،	رکھتا ہے یعنی اس سے قریب تر ہے اور
ومنه المناسبة فی العلة	اس سے مشابہت رکھتا ہے اور اسی سے
فی باب القیاس وھی الوصف المقارب	قیاس کے باب میں علت کو مناسبت کہا جاتا
للحکم، والمراد بالمناسبة ھنا	ہے یعنی وہ وصف جو حکم میں
وجه ارتباط الجملة والجملة فی	پایا جاتا ہے اور یہاں مناسبت
الآیة الواحدة او بین الآیة والآیة	سے مراد ایک آیت میں دو جملوں کا ارتباط یا متعدد
فی الآیات المتعددة او	آیات کا باہمی ارتباط یا ایک سورہ کا دوسری سورہ
بین السورة والسورة[1]	سے ارتباط ہے۔

[1] مباحث فی علوم القرآن، مناع قطان، مکتبۃ المعارف ریاض ۱۹۸۱ء ص ۹۷

اس سے معلوم ہوا کہ سلف کے نزدیک تناسب کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جملہ دوسرے جملہ سے کوئی مناسبت رکھتا ہو، ایک آیت کا دوسری آیت کے پہلو میں آنا کسی قرب و تعلق کی بنیاد پر ہو، اسی طرح ایک سورہ کا دوسری سورہ کے بعد آنے میں کوئی بھی وجہِ اتصال ہو، خواہ یہ مناسبت، تعلق اور وجہِ اتصال آیات و سور کے مابین فطری تسلسل معنوی ترتیب اور حکیمانہ تالیف سے عاری ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نظر سے کتبِ تفسیر کا مطالعہ کرنے والے کو بڑی مایوسی ہوگی۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:۔

> "جن لوگوں نے قرآن میں نظم کا دعویٰ کیا ہے، ان کی خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں پیش کر سکے جو اس راہ میں قسمت آزمائی کرنے والوں کا حوصلہ بڑھاتی۔ اوپر جن بزرگ مصنفوں کے اقوال وارشادات نقل ہوئے ہیں ان میں سے تین بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کا موقع مجھے نصیب ہوا۔ میں بلا کسی ارادۂ تحقیر کے عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کسی کی کتاب سے مجھے کسی مشکل کے حل کرنے میں کوئی مدد نہیں ملی۔
>
> مہائمی اور رازی کی تفسیریں عرصے تک میرے مطالعہ میں رہی ہیں، بلکہ رازی کی تفسیر اب بھی پیش نظر رہتی ہے۔ یہ حضرات جس قسم کا نظم بیان کرتے ہیں اس کے متعلق یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ اس قسم کا نظم ہر دو متضاد چیزوں میں جوڑا جا سکتا ہے[1]

گویا سلف کے نزدیک اصولی طور پر نظم اور تناسب ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ اس چیز کو کبھی وہ نظم کا نام دیتے ہیں تو کبھی مناسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی تناسب کہہ دیتے ہیں۔ لیکن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نزدیک یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کے درمیان بنیادی فرق پایا جاتا ہے وہ نظم کو کلام بلیغ کا جزء لاینفک قرار دیتے ہیں، جبکہ قدماء کا تصورِ تناسب، بلاغتِ کلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ذیل کی سطور میں مولانا فراہیؒ

---

[1] تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ج ۱، ص ۱۹

کی تحریروں کی روشنی میں اس فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نظم کا مفہوم

نظم کے معنی ہیں "ہار میں موتیوں کا پرونا"[1] ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

هل هملت عيناى فى الدار غدوة
بد مع كنظم اللؤلؤ المتهالك[2]

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

أضاءت لهم أحسابهم ووجوههم
دجى الليل حتى نظم الجزع ثاقبه[3]

گویا نظم کے معنی ایک ہار میں موتیوں کو پرونے کے ہیں۔ قرآن مجید میں نظم کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک منظّم اور مربوط کتاب ہے اور اس کی ایک سورہ کی جملہ آیات اور پھر تمام سورتیں ایک دوسرے سے اسی طرح مربوط ہیں جس طرح کا نظم اور ربط وتعلق کسی کلامِ بلیغ کے اندر ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کی قدرت وصنّاعی کے آگے سخن ورانِ عالم کی قادر الکلامی ہیچ اور ان کی زبان آوری گنگ اور ماند ہے۔

امام فراہیؒ کا کہنا ہے کہ تناسب میں صرف دو آیتوں میں ایک ربط قائم کیا جاسکتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مناسبت قائم کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط نہیں ہوتا اور لوگ بے معنی اور لایعنی مناسبت کھینچ تان کر قائم کر دیتے ہیں، جبکہ نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سورہ جہاں مختلف پیراگرافس سے مل کر ایک کلام کی شکل اختیار کرتی ہے، وہ اپنی سابق ولاحق دونوں سورتوں سے مربوط ہوتی ہے۔ اس طور سے پورا قرآن ایک کلام

---

[1] لسان العرب، ابن منظور، بیروت، لبنان، مادہ ن ظ م

[2] دیوان الحماسۃ، ابی تمام مع شرح تبریزی، ج ۲، ص ۱۰۶

[3] محاسن الشعر، اجمل ایوب اصلاحی، مکتبہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، ج ۲، ص ۶۴

کی شکل میں ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

گویا تناسب اور نظام میں فرق یہ ہوا کہ تناسب دو آیتوں کے درمیان محض ایک مناسبت کا نام ہے، جب کہ نظام میں پوری سورہ ایک کلام کی شکل میں نظر آتی ہے۔ چوں کہ لوگوں نے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اس لیے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہر آیت کو اپنی سابق ولاحق آیت سے جوڑنے کی کوشش کی جائے اور یہ چونکہ ناممکن ہے اس لیے اس میں زبردست غلطی کی ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اس پر یوں بحث کی ہے:

إنّ التناسب إنّما هو جزء من النظام، فإن التناسب بين الآيات بعضها مع بعض لا يكشف عن كون الكلام شيئًا واحدًا مستقلاً بنفسه، وطالب التناسب ربما يقنع بمناسبة ما فربما عن المناسبة التي ينتظم بها الكلام فيصير شيئًا واحدًا، وربما يطلب المناسبة بين الآيات المتجاورة مع عدم اتصالها فإن الآية المناسبة ربما تكون متصلة بالتي قبلها على بُعدٍ منها، ولولا ذلك لما عجز الأذكياء عن إدراك التناسب، فانكروا به فإن عدم الاتصال بين آيات متجاورة يوجد كثيرًا، ومنها ما ترى فيه اقتضابًا بيّنًا وذلك إذا كانت الآية أو جملة من الآيات متصلة

تناسب نظمِ کلام کی ایک کڑی ہے، آیتوں کے درمیان ایک دوسرے کا تناسب اس بات کو نہیں کھولتا ہے کہ کلام فی نفسہ ایک مستقل شے ہے، بسا اوقات تناسب تلاش کرنے والا طالب علم کسی بھی مناسبت پر قانع اور مطمئن ہو جاتا ہے چنانچہ وہ مناسبت سے بھی غافل ہو جاتا ہے جس سے کلام ایک لڑی میں پرو دیا جاتا ہے اور شے واحد ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ یکے بعد دیگرے آنے والی آیتوں کے درمیان دونوں میں عدمِ اتصال کے باوجود مناسبت ڈھونڈتا ہے، تو بعد میں آنے والی آیت بسا اوقات آیتِ ماقبل سے متصل نہ ہونے کے باوجود متصل ہو جاتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو تناسب کے ادراک سے ایسے ذہین و فطین لوگ عاجز نہ رہتے اور تناسب کا انکار نہ کرتے کیونکہ متجاور آیتوں کے درمیان عدمِ اتصال

۴۳۱

بالتی علی بعد منها وبالجملة
فمرادنا بالنظام ان تکون
السورة کاملاً واحداً، ثم
تکون ذات مناسبة
بالسورة السابقة واللاحقة
او بالتی قبلها اوبعدها
علی بُعدٍ ما، کما قدمنا فی
نظم الآیات بعضها مع بعض
فکما أنّ الآیات ربما
تکون معترضة فکذلك
ربما تکون السور
معترضة وعلی هٰذا الاصل
تری القرآن کله کلامًا
واحدًا ذا مناسبة و
ترتیب فی أجزاءه من
الاوّل الی الاخر[1]

عام طور پر پایا جاتا ہے اور ان ہی میں سے وہ بھی ہے جس میں تم واضح اقتضاب اور جھول پاتے ہو اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی آیت اور جملہ اس آیت یا جملے سے متصل ہوتا ہے جس میں خاصا بعد ہوتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نظم سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورت بذات خود مکمل ہوتی ہے، مزید براں ان سورتوں سے جو اس سے پہلے یا بعد میں متصلاً یا کچھ فاصلے پر ہوتی ہیں مناسبت رکھتی ہے، جیسا کہ ہم نے نظم آیات بعضها علی بعض میں پیش کیا ہے، پس جیسا کہ آیات بسا اوقات معترضہ ہوتی ہیں، اس طرح سورتیں بھی معترضہ ہوتی ہیں۔ اس اصل کے بنا پر تم پورے قرآن کو ایک کلام اور اوّل سے آخر تک اس کے اجزا میں ترتیب اور مناسبت رکھنے والا دیکھو گے۔

نظم کے پہلو

نظم کے دو پہلو ہیں: ایک ظاہری، دوسرا مخفی۔

(الف) ظاہری پہلو:

جب آپ قرآن کی سورتوں کی ترتیب پر غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ مکی اور مدنی سورتیں یکے بعد دیگرے آتی ہیں اور پورا قرآن سات گروپوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہر سورہ خواہ مکی ہو یا مدنی اپنے گروپ سے پوری طرح تعلق رکھتی ہے اور ایک غور

---

[1] رسائل ص ۸۶، ۸۷

کرنے والا بول پڑتا ہے کہ: "ولقد اٰتینٰك سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم" الحجر۔ ۸۷ (ہم نے تم کو بار بار دہرائی جانے والی سات (چیزیں) دے رکھی ہیں اور تمہیں قرآنِ عظیم عطا کیا ہے)

(ب) مخفی پہلو:

جب آپ مزید غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ ہر گروپ اپنا ایک مرکزی موضوع رکھتا ہے اور اس مرکزی موضوع کی روح ان تمام سورتوں میں کارفرما ہوتی ہے جو اس گروپ میں شامل ہیں۔ علامہ فراہیؒ نے اس مرکزی موضوع کا نام عمود رکھا ہے اور یہی وہ اصل شے ہے جس سے نظم اور تناسب کا فرق کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

عمود کا مفہوم

آپ دیکھتے ہیں کہ خطیب جب اپنے خطبہ کا آغاز کرتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک موضوع متعین رہتا ہے مگر وہ درمیان میں دوسری باتیں کبھی بطور تمثیل، کبھی بطور ذیل کبھی بطورِ طنز و تعریض لاتا ہے، مگر یہ تمام باتیں ایک مرکزی موضوع کے تحت ہی گردش کرتی ہیں، اس سے ہٹتی نہیں۔ ان تمام باتوں کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے اسی مرکزی موضوع سے ہوتا ہے۔ اس طرح اگر آپ بغور دیکھیں گے تو محسوس کریں گے کہ ہر سورہ کا الگ الگ اپنا مرکزی موضوع ہے۔ مزید غور کریں گے تو محسوس کریں گے کہ ہر گروپ کا اپنا ایک مرکزی موضوع ہے اور اس کی روح اس گروپ کی ہر سورہ میں اسی طرح کارفرما نظر آتی ہے جس طرح سورہ کی آیات میں پھر مزید اور بڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ یہ تمام گروپ ایک کلام کا روپ دھار لیتے ہیں جس کو ہم قرآن کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر آیت کا ماقبل و مابعد سے کوئی تعلق ہی ہو، کبھی ایک پیراگراف دوسرے پیراگراف سے ملتا ہے، نہ کہ اس کی ایک آیت دوسری آیت سے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو نظر انداز کر کے نظم تلاش کرنے والا متحیر اور پریشان ہو کر رہ جائے گا۔ مولانا فراہی لکھتے ہیں:

اما العمود: فهو جماع مطالب الخطاب، فاليه يجري الكلام	عمود مضامینِ خطاب کا جامع ہوتا ہے کلام اسی کے گرد گردش کرتا ہے، عمود ہی کا

وھوالمحصول والمقصود منہ فلیس من اجزاءہ الترتیبة ولکنہ یسری فیہ کالروح والسّر، والکلام شرحہ و تفصیلہ وإنتاجہ وتعلیلہ وربّمایحسن اخفاءہ فلا یطلع علیہ الا بعد استیقاء الکلام والتدبّر فیہ ۱؎

کلام مقصود و مطلوب ہوتا ہے، البتہ وہ کلام کے اجزاء ترتیب کا حصہ نہیں ہوتا، لیکن وہ کلام میں روح کی طرح جاری و ساری رہتا ہے اور کلام اس کی شرح، تفصیل اور سبب وعلت ہوتا ہے، ایسا اوقات اس کا پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہوتا ہے، اس لیے پورے کلام پر بغور نگاہ ڈالنے کے بعد ہی اس سے واقفیت ہوسکتی ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

إعلم أن مرادنا من النظام ان تکون لکل سورة صورة مشخّصة، فإنّ معانی الکلام اذا ارتبط بعضہا ببعض وجرت الی عمود واحد، وکان الکلام ذا وحدانیة، فحینئذ لا یکون الّا ولہ صورة مشخّصہ فاذا نظرت الی الکلام من ھذہ الجھة رأیت فیہ من الجمال و الإتقان والوضاحة ۲؎

جان لو کہ نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک خاص تشخّص ہو، کیوں کہ سورہ کے مضامین جب ایک دوسرے سے بالکل مربوط ہوں گے تو وہ تمام مضامین ایک مرکزی نکتے (عمود) کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور کلام میں وحدت کا رنگ پیدا ہوجائے گا اور اس طرح سورہ اپنے مستقل تشخص کے ساتھ سامنے آجائے گی اور جب تم آیات پر اسی انداز سے بار بار نظر ڈالو گے تو ان کا جمال و استحکام اور ان کی آب و تاب تمہارے سامنے آجائے گی۔

مزید فرماتے ہیں:

اعلم ان تعیین عمود

یہ واضح رہے کہ عمودِ سورہ کی تعیین

۱؎ رسائل ص ۸۵

۲؎ رسائل ص ۸۷

السورة، هو إقليد لمعرفة	ہی اس کے نظام سے واقفیت کی
نظامها، ولكنه أصعب	کلید ہے، مگر اس کا جاننا بڑا ہی مشکل
المعارف، ويحتاج الى	ہے، اس میں کافی غور و خوض ہم معنی
شدة التأمّل والتمحيص	وسابق ولاحق سورہ کے مطالب پر
وترداد النظر في مطالب	بار بار نظر تامل ڈالنے کی ضرورت
السورة المتماثلة والمتجاورة	پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ نمود صبح روشن
حتى يلوح العمود كفلق	کی طرح نمایاں ہو جائے، اس طور
الصبح، فيضئ به السورة	سے پوری سورہ روشن اور اس کا
كلّها، يتبيّن نظامها	نظام نمایاں ہو جائے۔ ہر آیت کا اپنا
وتأخذ كل آية محلّها	خاص موقع واضح ہو جائے اور متحمل
الخاص ويتعيّن من	تاویلوں میں سے ارجح تاویل کھل کر
التأويلات المحتملة أرجحها[1]	سامنے آجائے۔

الغرض نظام وہ چیز ہے جو سورہ کے اندر عمود کو متعین کرتا ہے اور اس کی مختلف آیتوں میں ربط پیدا کر کے پوری سورہ کو ایک وحدت کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔

اس کے برعکس وہ تناسب جسے علماء قدیم بیان کرتے ہیں اس سے پوری سورہ ایک قالب میں ڈھل کر وحدت کا روپ اختیار نہیں کر پاتی۔ آیات کے مابین اس طرح کی مناسبت پیدا ہونے کے بعد بھی ان کی بے ربطی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال ان قدماء کی تفسیریں ہیں جنھوں نے اظہار تناسب کا خاص اہتمام کیا ہے۔ قدماء کی ان تفسیروں کے مطالعہ سے کسی شخص کو یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ واقعی قرآن مجید ایک مربوط و منظم کتاب ہے•••

---

[1] رسائل ص ۸۹